کوریا کے افسانے

کانگ سوکا-کیونگ، کم چی-وون، او چونگ-ہوئی

جھلستے دنوں کے خواب

انگریزی ترجمہ: بروس اور جوچان فلٹن

اردو ترجمہ: تنویر اقبال

مشعل

جھلستے دنوں کے خواب

انگریزی ترجمہ: بروس اور جوچان فلٹن
اردو ترجمہ: تنویر اقبال

مشعل بکس
آر بی۔۵' سیکنڈ فلور' عوامی کمپلیکس' عثمان بلاک' نیوگارڈن ٹاؤن
لاہور۔54600' پاکستان

MashalBooks.org

جھلستے دنوں کے خواب

انگریزی ترجمہ: بروس اور جوچان فلٹن

اردو ترجمہ: تنویر اقبال

کاپی رائٹ(c) اردو۔ 2002ء مشعل بکس
کاپی رائٹ(c) اردو۔ دی سیل پریس

ناشر: مشعل بکس
آر بی 5 ' سیکنڈ فلور '
عوامی کمپلیکس ' عثمان بلاک ' نیو گارڈن ٹاؤن '
لاہور۔ 54600 ' پاکستان
فون و فیکس: 042-35866859

E-mail: mashbks@brain.net.pk

مشعل بکس

آر بی۔۵ ' سیکنڈ فلور ' عوامی کمپلیکس ' عثمان بلاک ' نیو گارڈن ٹاؤن
لاہور۔ 54600 ' پاکستان

MashalBooks.org

فہرست

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
-1	ابتدائیہ	5
-2	جھلتے دنوں کے خواب	11
-3	جنگل میں جائے پناہ	41
-4	ایک یقینی ابتداء	166
-5	لوری	184
-6	ملگجے اندھیرے کا کھیل	198
-7	چائنا ٹاؤن	219
-8	الوداعی کلمات	249

MashalBooks.org

MashalBooks.org

ابتدائیہ

اسے تاریخ کی ستم ظریفی ہی کہا جا سکتا ہے کہ کوریا کی سحر انگیز معاشی ترقی رونما ہونے کے بعد، مغرب کو کوریائی تہذیب و ثقافت میں دلچسپی پیدا ہوئی۔ روایتی کوریا میں کسی کی فنی اور ادبی حیثیت کا تعین اس کی کمرشل کامیابیوں کے حوالے سے ہوتا تھا۔ کسی بھی قوم کیلئے، اس کی ثقافت باعث افتخار ہوتی ہے مگر کوریا کو، اپنی تاریخ کے بیشتر اوقات میں اپنی سیاسی اور ثقافتی آزادیوں کیلئے اپنے طاقتور ہمسایوں سے نبرد آزما رہنا پڑا۔ 1980ء کے عشرے میں جب کوریا کے بیرونی دنیا سے براہ راست رابطے پیدا ہوئے تو بیسویں صدی کے مقامی ادب میں ایک حیرت انگیز تبدیلی آئی۔ ایک ایسی ادبی روایت نے جنم لیا جس میں مغربی دنیا کے لکھاریوں کی خصوصیات بدرجہ اتم موجود تھیں۔

1910ء میں کوریا پہ جاپان کے قبضے کے بعد، نوجوان ادیبوں کو روسی، فرانسیسی اور دیگر مغربی ممالک کے مصنفوں تک۔ ان کے جاپانی تراجم کے ذریعے رسائی حاصل ہوئی۔ ان ملکوں کے ادبی فلسفے اور سوچ، خصوصاً حقیقت نگاری سے متاثر ہو کر 1920ء کے عشرے تک کوریائی ادیب ایسی کہانیاں تصنیف کرنے لگے تھے، جو ہیئتی اور تکنیکی اعتبار سے مغربی قارئین کیلئے اجنبی نہیں تھیں تاہم ان کا ماحول اور موضوع خالصتاً کوریائی ہوتا تھا۔

روایتی طور پر، کوریائی ادیب خواتین کو نسبتاً زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ہوانگ چن

MashalBooks.org

ای جیسی عظیم شاعرہ (1544-1506ء) اور لیڈی ہانگ (1815-1735ء) کی معروف تصنیف ''دکھ بھرے دنوں کے قصے۔'' انتہائی تاریخی اہمیت کی حامل ہیں' تاہم عمومی طور پر ادب مردوں کی اجارہ داری ہی رہا۔ بیسویں صدی میں بھی' حالیہ سالوں میں ادیب خواتین کو کہیں جا کر ادبی تشخص حاصل ہوا ہے۔ اس کا ابتدائی کریڈٹ پاک کیونگ نی (1927ء) کو جاتا ہے جنہوں نے 1970ء میں اپنی ایک معرکۃ الآرا تصنیف ''زمین'' پیش کی جو جدید کوریائی ادب کو کامیابی کی نئی منزل کی طرف لے گئی۔ بعدازاں' 1970ء اور 1980ء کے عشروں میں ادیب خواتین کا ایک نیا روپ منظر عام پر آیا۔ ان میں پاک وان سؤ سوینگ ان' یون چنگ عؤ یانگ کوئی جا اور اس کتاب میں شامل تینوں خواتین شامل تھیں۔

ادیب خواتین کے کوریائی ادبی افق پر دیر سے نمودار ہونے کی کئی وجوہات ہیں۔ پہلی اور سب سے اہم وجہ کوریائی معاشرے پر پدرسری فلسفے کا غلبہ ہے۔ کئی دوسری مشرقی ایشیائی تہذیبوں کی طرح' کوریا کی معاشرت پر بھی کنفیوشس کے تصورات کا گہرا اثر ہے۔ ان تصورات کے تحت پبلک اور گھریلو زندگی کو بالکل جدا رکھا گیا ہے۔ پبلک زندگی مردوں کا میدان ہے جبکہ گھریلو زندگی عورتوں کی سلطنت سمجھی جاتی ہے۔ اس تصور کو کوریائی زبان میں باقاعدہ متشکل کیا گیا ہے۔ عورت کو چپ سرم (گھریلو شخصیت) اور مرد کو بکت یگ بان (خارجی شخصیت) سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ادب کو چونکہ اب تک عوامی اور تفریحی سرگرمی سمجھا جاتا ہے' لوگ مل بیٹھتے ہیں' ایک دوسرے کے فن پارے سنتے ہیں اور ان پر تبادلہ خیال کرتے ہیں' سو ان سرگرمیوں کو بنیادی طور پر مردوں کا علاقہ سمجھا جاتا رہا۔

آج بھی کوریا میں عورت کو کسی کی بیٹی' بیوی اور ماں کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے۔ ایسے شدت پسند ماحول میں جبکہ نوآبادیاتی تسلط بھی موجود ہو' ادیب خواتین اپنا وجود منوانے کی جدوجہد میں مصروف تھیں۔ انہوں نے نہ صرف روایتی معاشرتی رکاوٹوں کو توڑنے کی کوشش کی بلکہ انتہائی چابک دستی اور فنکارانہ مہارت کے ساتھ ان کے حقیقی رنگ میں تصویر کشی بھی کی۔

زیرنظر کتاب میں تینوں منتخب لکھاری خواتین اسی جدید ادبی روایت کا تسلسل نظر آتی ہیں۔ بیسویں صدی کے وسط میں جنم لینے والی ان خواتین کو آزاد کوریا کی پہلی ادیب نسل میں شمار کیا جانا چاہیے۔ کانگ سوکیانگ کی طویل کہانی ''جنگل میں جائے پناہ'' نئے کوریا کی پرانی اور نئی نسل کی معاشرت' اندازِ فکر اور سیاسی رویوں میں عدم مطابقت کی کہانی ہے۔ اس کا مرکزی

MashaiBooks.org

کردار سویا نگ نامی نوجوان لڑکی گھر کے بڑوں کی متصادم سوچ سے پیدا شدہ تنہائی اور ذہنی اذیت سے بچنے کیلئے خود کو گھر سے باہر کی مصروفیات میں گم کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ خارجی ماحول کی چکا چوند اس کے اندر موجود گھٹن اور اداسی دو ایسی متضاد کیفیات ہیں جو کسی طور بھی اسے پرسکون نہیں ہونے دیتیں۔ ماں باپ کے پاس اس کیلئے غم و غصے اور نصیحتوں کے اظہار کے سوا کچھ بھی نہیں۔ بڑی بہن اسے سمجھنے اور زندگی کی طرف لانے کی بھرپور کوشش کرتی ہے مگر وہ ناکام رہتی ہے۔ سوکیا نگ کے اندر چھپا ہوا شاعر کہیں کہیں سویا نگ کے کردار میں بھرپور طریقے سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ بنیادی طور پر تخیلاتی جنت میں رہتی ہے۔ حقائق کا بغور جائزہ لیتی ہے مگر ان کے بارے میں کوئی واضح رائے قائم نہیں کر پاتی۔ تاہم سوکیا نگ اپنی پہلی کہانی ''جھلستے دنوں کے خواب'' میں امریکی فوجوں کی کوریا میں موجودگی کے سماجی اثرات کا خوبصورت تجزیہ پیش کرتی ہے لیکن کہانی کا اختتام معاشی استہزاء کے گرد گھومتا نظر آتا ہے......
''اگر تم مجھے دس ڈالر دے سکو تو یہ زیادہ بہتر ہوگا۔ مجھے تمہارے خطوط کی کوئی ضرورت نہیں؟''
شاید سوکیا نگ کا یہ جملہ مادی ترقی کی معجزنما رفتار سے نفرت کا اظہار ہے جس کا محور و مرکز محض پیسے کمانا ہے' چاہے اس کے لیے کوئی بھی طریقہ اختیار کرنا پڑے۔

کم چی ون کی کہانی ''ایک یقینی ابتداء'' امریکی پس منظر میں لکھی گئی ایک خوبصورت کہانی ہے۔ اس میں بیک وقت کئی موضوعات چھیڑے گئے ہیں۔ کوریا کی معاشرتی ناہمواریاں' امریکہ کی تصوراتی جنت' امریکہ میں غیرملکی باشندوں کے مسائل اور مشکلات۔ یہ کہانی ایک طلاق یافتہ کوریائی عورت یون جا اور ایک نوجوان کوریائی چن ال کے گرد گھومتی ہے۔ چنگ امریکی شہریت کے حصول کیلئے یون جا سے کاغذی شادی کرتا ہے۔ قانونی مجبوریاں انہیں ساتھ رکھتی ہیں مگر ان میں کوئی ذہنی اور جسمانی تعلق نہیں ہوتا۔ اس ساری صورتحال کا انتہائی لمحہ بہ لمحہ تجزیہ کم کی فن کارانہ مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اپنی اپنی انا کے خول میں بند دونوں کردار پوری کہانی میں اپنا روایتی مشرقی رویہ قائم رکھتے ہیں۔ یون جا پہلی شادی کی ناکامی' اپنی بڑھتی عمر اور روزمرہ کی پریشانیوں کے حصار میں پھنسی کسی نئی جہت کا سوچ ہی نہیں پاتی اور چنگ ال کے لئے امریکی شہریت کا حصول زندگی اور موت کا مسئلہ ہے' ایسے عالم میں کہانی کا اختتامی موڑ.......... چنگ ال کا یون جا کو حقیقی شادی کی پیشکش' مشرقی روایات کی فتح کا احساس دیتا دکھائی دیتا ہے۔

MashalBooks.org

کم چی ون کی دوسری کہانی ''لوری'' سفید پوش گھرانوں کی قدامت پرستی' مردانہ بالادستی' چھوٹی چھوٹی قابل عمل خواہشات اور حقائق اور توہمات کے غیر مرئی توازن کی عکاسی کرتی ہے۔

اوچنگ ہوئی کی تین کہانیاں ملگجے اندھیرے کا کھیل' چائنا ٹاؤن اور الوداعی کلمات اس انتخاب میں شامل ہیں۔ ملگجے اندھیرے کا کھیل' بڑھتی ہوئی عمر کی لڑکی کی تنہائیوں' جنسی ناآسودگی اور روزمرہ کی سماجی الجھنوں سے عبارت ہے۔لڑکی گھر میں اپنے بوڑھے باپ کے ساتھ تنہا رہتی ہے۔ باپ ماضی میں زندہ ہے اور زندگی کی ہر خرابی اور مشکل کیلئے اپنی آنجہانی بیوی کو موردالزام ٹھہراتا ہے۔کہانی کے بہت سے واقعاتی دھارے مبہم اور تشنہ چھوڑ دیئے گئے ہیں۔اب یہ قاری کے تخیل اور ذہانت پر منحصر ہے کہ وہ انہیں کس رنگ اور آہنگ میں جوڑتا ہے۔ بین السطور کہانی کا حقیقی اور بھرپور کردار اندھیرا محسوس ہوتا ہے۔

چائنا ٹاؤن کا پس منظر کوریا کی خانہ جنگی' اس کی تباہ کاریوں اور اس کے نتیجے میں معاشرتی اور معاشی بدحالی کا حقیق منظر دکھائی دیتا ہے۔امریکی فوجیوں کا مقامی عورتوں سے ارتباط اور جوان ہوتی ہوئی نسل کے ذہن میں اس کی عجیب وغریب مثبت توجیہہ کہانی کا مرکزی خیال ہے۔غیر ملکی افواج کی موجودگی کے خلاف احتجاج اور ہنگامے کی ہلکی سی گونج بھی سماعت سے ٹکراتی رہتی ہے۔

''الوداعی کلمات'' میں اوچنگ ہوئی عمومی بیانیہ انداز کے ساتھ شعور کی رو کا بھی بھرپور استعمال کرتی نظر آتی ہے۔ابہام سے حقیقت تک کا سفر' چنگ آک کا ظاہری سفر ہی نہیں بلکہ ذہنی اور روحانی سفر بھی ہے۔ چنگ آک اپنے شوہر کے تصور کو قائم رکھنا چاہتی ہے' حالانکہ اس کا شوہر' پانچ سال تک اپنی موجودگی کے باوجود اس کے لیے غیر حاضر ہی رہتا ہے۔اوچنگ ہوئی نے شہر سے دور قبرستان تک کا سفر اور اس قبرستان کے پس منظر میں چنگ آک کی ذہنی کیفیات اور اس کی والدہ کے غیر سنجیدہ مابعد الطبیعاتی تصورات کا بڑا گہرا تجزیہ کیا ہے۔غیر ملکی فوجوں کی راستے میں موجودگی اور چنگ آک کی جنگ سے اور اس کی تباہیوں اور بربادیوں سے نفرت بظاہر ضمنی تذکرہ دکھائی دیتی ہے لیکن کہانی کے پس منظر میں فوج کے دستے کی مارچ پاسٹ کی مسلسل آہٹ اور گردوغبار سے آلودہ ماحول' ذہن پر مسلسل دستک دیتے رہتے ہیں۔

تینوں ادیب خواتین' اپنی کہانیوں میں زندگی کے معلوم اور موجودہ رخوں کو اس طرح پیش

MashalBooks.org

کرتی ہیں جیسے کہ وہ ہیں۔ انہوں نے سماج کی عریانی کو کپڑے پہنانے کی کوشش نہیں کی۔ قدیم اور جدید نسلوں کے درمیان ذہنی' فکری اور روحانی تفاوت کے اظہار میں بھی وہ کسی جھجک کا شکار نہیں۔ غرض سماجی' سیاسی اور ثقافتی رویوں اور روایتوں کا قریبی مشاہدہ اور ان میں رونما ہوتی تبدیلیوں کا بلاتبصرہ اور بے جھجک اظہار ان ادیب خواتین کی قدر مشترک دکھائی دیتا ہے اور پدرسری معاشرے کے خلاف بغاوت کی لہر بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ بہرحال ناراضگی' مایوسی اور دکھ کی پرچھائیوں کے جلو میں' آنے والے دنوں کی آس اور ان کے بطن سے جنم لینے والی خوشبو کا ہلکا سا احساس ان کی کہانیوں کا ماحصل ہے۔

تنویر اقبال' لاہور

MashalBooks.org

MashalBooks.org

جھلستے دنوں کے خواب

کانگ سوکیانگ

درختوں اور پودوں پر آتا ہریالی پن اور پھولوں کی نئی کونپلیں آتی بہار کا پتہ دے رہی تھیں۔ دھواں اگلتی چمنیوں والے پہاڑی بنگلے کی جگہ ایک وسیع وعریض اور قدیم حویلی نے لے لی تھی۔ دیوار پر آویزاں کیلنڈر سے موسم سرما غائب ہو چکا تھا۔ یہاں آنے کے ہفتہ بھر بعد' مجھے اپنا چیک اپ کرانا پڑ گیا۔ شہر کے اس حصے میں یہ کوئی انہونی بات نہیں تھی لیکن میں کچھ زیادہ ہی پریشان تھی۔

آدمی برسر روزگار ہو تو کوئی بھی چیز خرید سکتا ہے لیکن آپ نے یہ نہیں سنا ہوگا کہ ایک ہی چھت تلے رہتے ہوئے کوئی شخص اپنی ساتھی کا چیک اپ نہ کرا سکے۔ دو ماہ سے میں اوورٹن کے ساتھ رہ رہی تھی مگر میرے ساتھ کے باوجود اس کی رنگ رلیاں جاری تھیں۔ بعض اوقات تنہائی مجھے کاٹ کھانے کو دوڑتی۔ اوورٹن یہ بیماری کہیں باہر سے لگا لایا تھا اور پھر کسی متعدی مرض کی طرح یہ مجھ تک آ گئی۔

یہ خوفناک بیماری اور اس کے ساتھ بندر گھر کے چکر اور وہ بھی بہار کے شروع میں' حد ہو گئی! ایسے آدمی سے وفاداری نبھانے چلی ہوں میں! ہیلتھ سنٹر سے نکلتے ہی میں نے فائر بریگیڈ میں اوورٹن کو ٹیلیفون کیا اور اسے جلے کٹے لفظوں میں اس کی رنگ رلیوں پر بری طرح

MashalBooks.org

کوسا اور اسے اپنی طبیعت کے بارے میں بتایا۔ وہ بھی ایک ہی کائیاں تھا' کہنے لگا:

''تھوڑا بہت تو ہر کوئی ادھر ادھر ہاتھ مار لیتا ہے' یہ تو تم بھی جانتی ہو۔''

''تمہارا خیال ہے کہ صرف مرد ہی رنگ رلیاں منا سکتے ہیں؟'' مجھے غصہ آ گیا ''عورتیں بھی جو چاہیں کر سکتی ہیں' تھوڑا انتظار کرو میں تمہارے ساتھ رہتے ہوئے کسی اور کے ساتھ آنکھ مچولی کر کے دکھاؤں گی۔'' پھر میں نے اسے چیک اپ کے بارے میں بتایا۔ بالآخر وہ مان گیا ممکن ہے اس نے بھی اپنا چیک اپ کرایا ہو۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ اس عورت سے رابطہ کرنے کی کوشش کرے گا جس کی وجہ سے ہمیں یہ بیماری لگی تھی۔ وہ معذرت کرتا رہا' مجھے منانے کی کوشش کرتا رہا مگر میں ایک نتیجے پر پہنچ چکی تھی۔ اس لیے میں نے اس کی سنی ان سنی کرتے ہوئے ٹیلیفون بند کر دیا۔

میں اس بارے میں جتنا سوچتی' اتنا ہی میرا غصہ اور بڑھتا جاتا' مہینے بھر میں اوورٹن کی مقامی ڈیوٹی ختم ہو جائے گی اور وہ واپس امریکہ کا رخ کر لے گا۔ وہ یہ سوچ کر ہی بے وفائی نہ کرتا کہ کوریا میں قیام کے دوران وہ آخری لڑکی کے ساتھ رہ رہا ہے مگر حقیقت اس کے برعکس تھی۔ دل پشوری کیلئے لڑکیوں سے آنکھ مچولی کرتے رہنا چاہئے۔ یہ تھا اس کا فلسفہ' اگر اس کی حرکتیں ایسی نہ ہوتیں تو شاید ہم ایک مثالی جوڑا ہوتے۔ دو ماہ پہلے تک تو ایسا ہی لگتا تھا۔ وہ بستر پر لیٹ جاتا۔ جوش اور جذبات اس کے پور پور سے ٹپکتے۔ ''قسمت نے ہمیں آخری لمحات میں ملا دیا ہے اور......'' اور ایسی ہی سینکڑوں اوٹ پٹانگ باتیں۔

واپس گھر جاتے ہوئے میں نے ایک میڈیکل سٹور سے نیند کی تیس گولیاں اور سوجو کی ایک بوتل خریدی۔ گھر آتے ہی بیس گولیاں منہ میں ڈالیں' اوپر سے شراب کا ایک گلاس لیا اور بستر میں جا لیٹی۔

آنکھ کھلی تو سورج کی روشنی کھڑکی سے اندر آ رہی تھی۔ غالباً یہ اگلے دن دوپہر کا وقت تھا۔ شفاف آئی وی بوتل ہوا میں لٹک رہی تھی اور میرے بازو میں انجکشن کی سوئی پیوست تھی۔ اوورٹن کے سنہرے بال میری پلکوں کو چھو رہے تھے۔ میں نے سوئی کو مضبوط سے پکڑا اور باہر نکال پھینکا۔ اوورٹن نے میرا بازو سنبھال لیا اور انتہائی لجلجاتے لہجے میں معذرتیں کرنے لگا۔

''ہنی! میں غلطی پر تھا۔ میں اپنی سب خباثتیں چھوڑ دوں گا۔ یقین کرو ہنی' میں اب تمہیں کبھی دھوکہ نہیں دوں گا۔'' میں نے بمشکل اپنی ہنسی ضبط کی۔ جب سے ہم نے اکٹھے رہنا شروع

MashalBooks.org

کیا تھا' آج پہلی بار میں اس کی زبان سے اپنے لئے 'ممی'' کا لفظ سن رہی تھی۔ وہ خاصا بوکھلایا ہوا اور سراسیمہ لگ رہا تھا۔ بہر حال میں دل ہی دل میں تہیہ کر چکی تھی کہ موقع ملا تو اسے مزا ضرور چکھاؤں گی۔ میں نے آنکھیں موند لیں اور راس سے پانی کا گلاس مانگا۔ وہ پانی لے کر آیا تو میں نے بستر کے کونے کی دراز سے' تیزی سے باقی دس گولیاں نکالیں اور دیکھتے ہی دیکھتے نگل بھی لیں۔ اوورٹن ہکا بکا رہ گیا۔ ''مجھے روکنے کی کوشش نہ کرو ''بندر گھر'' جانے سے پہلے' میں ذرا اونچا اڑنا چاہتی ہوں''۔

اس رات' دس بجے میں بندر گھر کیلئے روانہ ہوئی۔ عجیب سی محسوسات تھیں۔ دن کی روشنی میں تو میں شاید چل بھی نہ سکتی۔ گولیوں کے زیر اثر' میں خود کو ہوا میں چلتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ چھٹی لے کر گھر جانے والے کسی فوجی سپاہی کی طرح' زیر لب کچھ گنگنا بھی رہی تھی۔ دیواروں کا سہارا لیتے ہوئے نہ جانے میں کتنی طویل مگر تنگ گلیوں سے گزری اور بالآخر اس دو منزلہ عمارت تک پہنچ گئی۔ یہ عام سی سرکاری عمارتوں کی طرح ایک عمارت تھی۔ نیچے گھپ اندھیرا تھا۔ اوپری منزل میں البتہ روشنی ہو رہی تھی۔ چھوٹا سا آہنی گیٹ بند تھا۔ اس میں تعجب کی کوئی بات بھی نہیں تھی۔ میری گھڑی گیارہ بجا رہی تھی۔ سو میں نے اپنا بیگ دیوار کے اوپر سے گھما کر پھینک دیا۔ وہ کسی عجیب الخلقت پرندے کی طرح اڑا اور پھر غائب ہو گیا۔ گیٹ کے ہینڈل پر شیر کا سر بنا ہوا تھا۔ میں نے اپنا ایک پاؤں اس کے اوپر رکھا اور اس طرح دیوار کے اوپر بنی ہوئی آہنی جالی کو بمشکل جا پکڑا۔ چونکہ میں خود کو اس وقت بھی ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی اس لئے دیوار کے اوپر چڑھنے اور دوسری جانب چھلانگ لگانے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی۔

مجھے نگران کو جگانا پڑا۔ دروازہ کھولتے ہوئے وہ خاصا سراسیمہ تھا مگر بات یہیں ختم نہیں ہوئی۔ مجھے کریسنتھی مم روم میں لے جایا گیا۔ وہاں خاصی لڑکیاں میرے ارد گرد جمع ہو گئیں اور ہنستے مسکراتے سرگوشیاں کرنے لگیں۔ انہی لمحوں میں ہمیں ہال سے کچھ آوازیں سنائی دیں۔ یونگ جانامی ایک لڑکی نے بھاگ کر دروازہ کھولا اور کہا ''اب کیا مصیبت آ گئی؟'' ماؤ سی (نگران اعلیٰ) اور پولیس کے دو سپاہی آئرس روم سے نکل کر ہال کی طرف جا رہے تھے۔ وہ تینوں اگلے دروازے سے روز روم میں چلے گئے اور سب لڑکیوں کی حاضری لگانے لگے۔ وہ تمام لڑکیوں کی موجودگی کا یقین کرنا چاہتے تھے۔

دو آئرس لڑکیاں وہاں سے ہال میں آئیں۔ یونگ کے منہ سے پھر بے ساختہ نکلا ''آخر

اتنی رات گئے یہ سب کیا ہو رہا ہے؟''

''کوئی بھاگ گیا ہے' ایک لڑکی نے جواب دیا۔''چوکیداروں میں سے کسی ایک نے کسی کو دیوار پھاندتے اور بھاگتے دیکھا ہے''۔ پولیس والوں نے سارے کمروں میں جا جا کر دیکھا۔ بالآخر انہوں نے کرسینتھی روم میں سب کو اکٹھا کر کے' دوبارہ شمار کیا۔ کوئی لڑکی رسی کی مدد سے' کسی ٹارزن کی طرح' کھڑکی کے راستے لمبی چھلانگ لگا کر فرار ہوگئی تھی۔ اپنے وقتوں میں وہ یقیناً کوئی افسانوی کردار رہی ہوگی! بہر حال بعد میں کھڑکیوں پر آہنی جالیاں لگا دی گئیں۔

لڑکیوں کی گنتی کبھی کی ہو چکی تھی مگر وہ سپاہی ابھی تک وہیں براجمان تھے۔ میرا خیال ہے وہ ابھی تک ہار ماننے کو تیار نہیں تھے۔ ماؤسی (نگران اعلیٰ) کا یہ نام اس لئے پڑ گیا تھا کہ ان کی شکل شاید چوہے جیسی تھی۔ انہوں نے کچھ دیر سوچا اور پھر میری طرف اشارہ کیا۔''وہ دیوار پھلانگ کر اندر آئی ہے' ممکن ہے چوکیدار نے اندھیرے میں اسے ہی دیکھا ہو اور یہ سمجھ بیٹھا ہو کہ وہ یہاں سے بھاگ ہی ہے۔''

''تم دیوار پھاند کر اندر آئی تھیں' ایک سپاہی نے حیرت سے پوچھا۔

انہوں نے سپاہی کو کمرے سے جانے کیلئے کہا پھر میری طرف متوجہ ہوئیں''تم تو یہاں آنا ہی نہیں چاہتی تھیں' چنانچہ تم نے نیند کی گولیاں نگل لیں اور پھر یہ سب ڈرامہ کر ڈالا''۔ سارے جوابات تھے ان کے پاس' لڑکیاں دبی دبی ہنسنے لگیں۔ ایک لڑکی ٹوما نے ماؤسی کے پیچھے سے آواز لگائی۔''لگتا ہے کچھ لوگ یہاں آنا پسند بھی کرتے ہیں' چلو کوئی تو ایسا ہے تو دیوار پھاند کر' اندر آیا''

جب بھی کوئی نئی لڑکی یہاں آتی ہے تو ہم اس قسم کا تماشا کرتے ہیں تا کہ اس کی ذہنی اذیت کو کم کر سکیں۔ لیکن ایک دفعہ یہاں آنے کے بعد وہ اپنی دلچسپی کا کام ڈھونڈ لیتی ہے۔ دن یہاں کچھ جلدی شروع ہو جاتا ہے اپنے گھروں میں تو لڑکیاں بستروں میں' جب تک چاہیں گھسی رہتی ہیں مگر یہاں سب کو سات بجے اٹھنا ہوتا ہے۔ اپنے کمرے کی ایک ایک چیز کو صاف ستھرا کرنا ہوتا ہے' بعض لڑکیوں کے ذمے ناشتہ بنانا ہوتا ہے سو وہ کچن کا رخ کرتی ہیں۔ صفائی کے کام سے فارغ ہوتے ہی ہم سب نچلی منزل میں آجاتی ہیں۔ چاول اور سوپ کے ساتھ مٹر کی پھلیاں ہوتی ہیں۔ کوئی گوشت ووشت نہیں' مگر بھوک صبح سے ہی ایسی ظالم لگتی ہے کہ لفظوں میں اس کا بیان ممکن نہیں۔

MashalBooks.org